حاملان قرآن

شیخ محمد افضل عمادی

از جناب مولوی محمد عثمان صاحب [۲] عمادی بی ایس سی (علیگ)

ما شرح معجز دم عیسیٰ نوشتہ ایم تفسیرے از خدای تعالیٰ نوشتہ ایم

در راہ نور بے سر و پا بود مہر و ماہ انوار حسن یار سراپا نوشتہ ایم

یہود سے خطاب اور اسباب عتاب

یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ من و سلویٰ کھاتے کھاتے جی بھر گیا خدا سے دعا کیجئے کہ تبدیل ذائقہ کے لئے کچھ زمین کی پیداوار عنایت ہو۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا۔

وہ وقت یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تو ایک ہی کھانے پر کبھی قناعت نہ کریں گے۔ اس لئے ہمارے حق میں اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ہمارے لئے زمین کی پیداوار نکالے مثلاً ساگ ترکاری ککڑی، لہسن (یا گیہوں یا چنے) مسورا پیاز

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا

کہا کیا تم لوگ اچھی چیز کو ادنیٰ چیز سے بدلتے ہو؟ کسی شہر میں اتر پڑو کہ جو تم نے چاہا ہے وہاں سب ملجائیگا ذلت اور مسکنت نے ان کو گھیر لیا اور وہ اللہ کے غضب

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ — کے ساتھ لوٹے' یہ اس لئے ہوا کہ وہ لوگ اللہ کی نشانیوں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ — کا انکار کرتے تھے اور انبیا کو ناحق مار ڈالتے تھے۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (۲:۷) — اس کفر بآیات اللہ وقتل نبیین کے مرتکب وہ اس بنا پر

ہوئے تھے کہ انہوں نے نافرمانی کی، عاصی ہوئے، معصیت میں پڑے اور وہ حد سے بڑھ جایا کرتے تھے۔"

سوال یہ تھا کہ یہودی اتنے بڑے عذاب کے مستحق کیوں ٹھہرے۔

(۱) ایک ہی لون طعام کا لزوم و دوام اگر ذائقہ کو خوش نہ آئے اور تبدیل مزہ کی درخواست کی جائے' زمین کی پیداوار کو جی چاہے' جس کے اہل زمین خوگر ہیں' تو اس میں معصیت کی کیا بات ہے؟

۲۔ یہود نے کسی غیر سے رجوع نہیں کیا تھا' اپنے پیغمبر سے درخواست کی تھی' نہ اس حیثیت سے کہ پیغمبر کوئی فاعل مختار ہیں' بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ "فرستادہ خاص پروردگار" ہیں' پروردگار سے دعا کریں کہ ہماری مراد بر آئے' پیغمبر سے دعا کرانے اور خدا سے ایک مدعا جائز کے طلبگار ہونے میں کیا کفر ہے؟

۳۔ درخواست گذاروں نے پیغمبر کو درخواست دی تھی، جواب بھی انہیں کی زبان سے ملنا چاہیئے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے کہیں برتر ہے کہ بندے تو نبی سے خطاب کریں اور جواب اللہ دے۔

۴۔ ادنیٰ کے معنی اقرب ہیں، من الدنو' قربت میں کیا اشارہ ہے؟

۵۔ اس وقت تک یہود سے کفر بآیات اللہ وقتل نبیین بغیر الحق ثابت نہیں' جو نا کردنی افعال ابھی ہونے تھے ان کا مواخذہ قبل ہی سے اس کا مواخذہ یعنی چہ؟ مواخذہ وقوع فعل کے بعد ہے۔ ہنوز فعل واقع نہیں ہوا کہ مواخذہ ہونے لگا' اس کے کیا معنی؟

فرمایا: حسن بن حسن البصری سے روایت ہے:۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا اَهْلَ كُرَّاثٍ وَّاَبْصَالٍ وَ — یہ لوگ گندنا اور پیاز اور مسور کھانے والے لوگ تھے

اعداس فنزعوا الی عکرھم عکر السوء	اسی خوئ بد کی جانب مایل ہوئے، طبیعت میں اسی
واشتاقت لطبایعھم الی ماجرت علیه	عادت جاریہ کا شوق بڑھا، اسی بنا پر کہنے لگے "ہم تو
عادتھم فقالوا لن نصبر علیٰ طعام	ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے" یعنے ایک طرح
واحد ای نوع منه۔	کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے۔

یہ ایک طرح کا کھانا کیا تھا جس پر وہ صبر نہ کرسکے، اس کی حقیقت بھی سن لیجیے:۔

والمراد با لطعام الواحد ھو المن والسلوی	طعام واحد سے مراد من وسلوی ہے، یہ دونوں اگرچہ
وھما وان کانا طعامین لکن لما کانوا	دو مختلف طعام تھے لیکن بنی اسرائیل ان دونوں
یاکلون احدھما بالاخر جعلوھما	کو روزمرہ ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کے کھایا
طعاما واحداً لتکررھما فی کل یوم و	کرتے تھے، اس لیے ایک ہی کھانا قرار دیا، بار بار یہی
عدم وجود غیرھما معھما ولا تبدله	دونوں چیزیں ہر روز کھانے کو ملیں، ان کے ساتھ
بھما۔	کوئی اور کھانا موجود نہ ہوتا اور نہ اس میں کبھی تبدیلی ہوتی

دوسری تفسیر یہ ہے:۔

انما طلبوا ھذہ الانواع لانھم ملّوا	بنی اسرائیل نے یہ چیزیں اس لئے طلب کیں کہ "تیہ"
من البقاء فی التیه فسالوا ھذہ	میں رہتے رہتے گھبرا گئے تھے، اس بنا پر ایسے مطعومات
الاطعمة التی لا توجد الا فی البلاد وکان	کی خواہش کی جو بجز شہروں کے اور کہیں نہیں ملتے
غرضھم الوصول الی البلاد لا تلك	غرض یہ تھی کہ کسی طرح شہری آبادی تک پہنچ سکیں،
الاطعمة	یہ کھانے مقصود بالذات نہ تھے۔

جواب میں اگرچہ بہتر کو چھوڑ کر فروتر کی خواہش پر ملامت کی گئی تاہم "تیہ" سے نکل کے کسی شہر میں اتر پڑنے کی اجازت مل گئی اور یہی درخواست گذاروں کا مدعا تھا۔

"تیہ" میں بنی اسرائیل کے ابتلا و افتتان کا سبب یہ تھا (واللہ اعلم بحقیقتہ) کہ مصر میں غلامی کی زندگی بسر کرتے پشتیں گذر چکی تھیں، محکومیت کے تمام جراثیم چھا گئے تھے، اللہ چاہتا تھا کہ اس قوم کو غالب بنائے اور ایک دنیا کا حاکم و فاتح فرمائے جس کے لئے جفاکشی و خشونت عیش و شظف معیشت و مواظبت محنت لازم تھی، اس جنگی تربیت کے لئے تیہ جیسا ریگستان منتخب ہوا جو وسائل تنعم و ذرائع آرام پسندی سے یکلخت عاری تھا۔ یہ تربیت اگرچہ سخت تھی مگر کوئی محکوم قوم بدون سخت ترین جنگی تربیت کے حکومت پر فائز نہیں ہو سکتی، بنی اسرائیل کا اس سے گھبرانا اور اس تربیت کی سختیوں پر صبر کرنے سے بشدت انکار کرنا یہی معصیت تھا۔

۲۔ تنبیہ اس بات پر نہیں ہوئی تھی کہ پیغمبر کا کیوں ذریعہ اختیار کیا۔ بلکہ تنبیہ کا سبب یہ تھا کہ اس دشت مخوف میں خدا اُن کو ایسی تربیت دینا چاہتا تھا جو فیروزی اور فیروزمندی کی دلیل راہ ہو، اس نشان رحمت سے جب بنی اسرائیل نے انکار کیا تو عتاب کے مستحق ہوئے۔

۳۔ مفسرین نے قاطبۃً یہی تفسیر کی ہے:۔

قال یعنی موسیٰ علیہ السلام لھم وقیل القائل ھو اللہ والاول اولی — یعنے کہنے والے اور بنی اسرائیل کو جواب دینے والے موسیٰ علیہ السلام تھے، ایک ضعیف تاویل یہ بھی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا مگر پہلی ہی تفسیر زیادہ درست ہے۔

لیکن اگر خطاب بالنبی کا جواب من اللہ بھی ہو تو اس سے خدا کی شان میں کوئی شین لازم نہیں آتا۔

۴۔ قربت میں یہ اشارہ ہے کہ قریب تر زمانہ میں یہی چیزیں اُن کو ملا کرتی تھیں اور ان سے طبیعت مالوف تھی، مفسرین لکھتے ہیں:۔

والمراد أتضعون ھذہ الاشیاء التی ھی دون مرضیع المن والسلوی اللذیذ — مطلب یہ ہے کہ تم لوگ ان چیزوں کو اختیار کرتے ہو جو من وسلویٰ کے درجہ سے گری ہوئی ہیں۔

هما خیر منہا۔ من وسلویٰ ان سب سے بہتر ہے۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ "ادنیٰ" کے معنی اسفل و ارذل کے بھی آتے ہیں۔

فان الادنیٰ اصلہ من دون ای الردیٔ لفظ ادنیٰ "دون" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ردی کے ہیں

۵۔ بے شبہ اُس وقت تک یہود نہ کفر کے مرتکب ہوئے تھے نہ اپنے پیغمبروں کی ناحق خون ریزی کی تھی، اس میں بھی شک نہیں کہ کسی فعل پر مواخذہ وقوع فعل کے بعد ہونا چاہیئے، یہ بھی مسلّم ہے کہ یہ سوال ایسا نہ تھا کہ ضرب ذلت و مسکنت و تبوء بغضب اللہ کا مستحق بناتا، لیکن یہاں سرے سے یہ بات ہی نہیں، سوء فہم سے یہ شبہات ناشی ہوئے، قلت تدبر نے ان پر رنگ چڑھایا اور فقدان تفقہ نے محل اعتراض بنایا، کہنے کی بات یہ نہیں کہ لوگوں نے آیت کی تاویل کیا کی ہے، کہنے کی بات یہ ہے کہ اللہ کیا کہتا ہے ایک زمانہ میں نظیری نے کہا تھا۔

ہر ذرہ را بقدر طلب نور دادہ اند در کار خویش شب پرہ را آفتاب گیر

اب آپ اس کو یوں پڑھئے۔

بگزار برق طور و شرار شہاب را دریاب نور و شب پرہ گیر آفتاب را

آیت:- وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ" اس میں اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کہنا تھا سب کہہ دیا، صیغہ خطاب سے ابتدا کی ہے اور خطاب ہی پر انتہا ہوئی ہے کہ اے بنی اسرائیل اُس وقت کو یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے یہ کہا تھا اور موسیٰ نے اُس کا یہ جواب دیا تھا۔

یہاں تک یہ مضمون پورا ہو گیا، اب اس کے بعد دوسرے جملہ سے دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے

کہ بنی اسرائیل کی فلاں و فلاں بدکرداریوں نے اُن کو ذلت و مسکنت و غضب الٰہی کا مستحق بنایا، پھر ان بدکرداریوں کی علتیں بیان کی ہیں، پھر انھیں علل و اسباب کے منشاء و ورود کی توضیح کر دی ہے کہ آنے والی قومیں محفوظ رہ سکیں اور کوئی محلِ اشتباہ نہ رہ جائے۔

یہ پورا بیان صیغۂ غائب سے آغاز ہوتا ہے اور غائب ہی پر اس کا انجام ہے تمام تفسیریں شاہد ہیں کہ وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ ای ضرب علی غرو عیھم و اخلافھم الھوان والفقر والفاقۃ مطلب یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی جو نسل بعد کو آنے والی تھی اور کفر آیات اللہ و قتل نبیین بغیر الحق کا ارتکاب کرنے والی تھی اُن پر ذلت و مسکنت محیط ہو گئی۔

"ذٰلک" سے یہود کے ذلیل و مغضوب ہونے کے سبب اول کی طرف پہلے اور سبب ثانی کی طرف بعد میں اشارہ کیا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں:۔

ومجموع ما بعد الاشارۃ الاولی والاشارۃ الثانیہ ھو السبب لِضرب الذلۃ وما بعدہ۔

"ذٰلک" کے ذریعے آیت میں دو بار اشارے کئے ہیں انہیں اشارات کا مجموعہ یہودیوں کے ذلیل ہونے اور بعد کو مغضوب ہو کر رہنے کا باعث ہوا۔

یہ اطناب و اسھاب ممکن ہے مُمل ہو لیکن تقصیر و تقلیل شاید احقاق حق میں مُخل ہوتی، ولی فیھا مآرب اُخری۔

چنانچہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

آیت میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ صبر علی المکارہ سے جس کو انکار ہے اللہ کی رحمت اُس سے بیزار ہے اللہ کی مرحمت اُسی کے لئے ہے جو شہیات و مستلذات نفس کے فقدان پر از خود رفتہ نہ ہو جائے جس کا خمیر ہی ہوا اُسی میں لگا ہے کہ لزوم صلاح و استمرار خیر مُثمر فتوح و مُزکی روح ہے، والحمد للہ رب العالمین۔

بہر کاری کہ ہمت بستہ گردد ۔۔۔ اگر خارے بود گلدستہ گردد

صلاۃ علی آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آل رسول پر بھی درود بھیجنا لازم ہے اور اس میں لفظ "علی" سے تفریق نہ کرنی چاہئے۔

فرمایا، ہم اسی کے خوگر ہیں کہ رسول کے ساتھ آل رسول پر بھی درود بھیجیں۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید، اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

لیکن لزوم و تفریق کی کوئی روایت صحیح ثابت نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (۳۳: ۷)

حقیقت میں اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں اے وہ لوگو کہ ایمان لاچکے ہو پیغمبر پر درود وسلام بھیجو۔

یہاں فقط صلاۃ علی النبیؐ پر اقتصار ہے اور اس کے ساتھ کسی اور کی شرکت نہیں۔

لباس فاخر

لزوم و تفریق کے متعلق دریافت فرمایا کہ یہ معانی کہاں سے بیان کیے ؟

عرض کی:۔ جناب قبلہ و کعبہ ...... تشریف لائے ہیں اور بڑی شان و شوکت سے دربیہ میں مقیم ہیں۔ لباس فاخر و ریز عمامۂ طیب الشمامہ برسر کل کے موعظہ میں بھی تصریح کی تھی اور اس کے اطراف بحث پر جناب قبلہ و کعبہ نے شرح و بسط سے نظر ڈالی تھی، فرمایا:۔

بیا د طوف حریم برہنہ پایاں کن　　　کہ با تو کعبہ سخن در لباس می گوید

عرب قدیم میں ایک شخص فاخر تھا جسے بھڑکیلے کپڑے پہننے کی عادت تھی، عربوں کی سادگی

بھڑک اور نمود کی متحمل نہ تھی، اس لیے یہ وضع مذموم مضروب المثل ہوگئی کہ جب تک محبیوں کو بھڑکیلے لباس میں دیکھتے تو کہتے "ہذا لباسُ فاخر" یہ فاخر کی وضع ہے یعنی ویسی ہی بھڑک اس میں بھی ہے۔

فخور

فاخر کے بعد فخور کی جانب ذہن منتقل ہوا کہ اللہ تعالیٰ "مختالِ فخور" کو کیوں دوست نہیں رکھتا؟

الفخور من الابل العظيمة الضرع العلیاتة اللبن، ومن الغنم کذلك	جن اونٹنیوں کے تھن تو بڑے بڑے ہوں مگر دودھ بہت کم ہو، اُن کو فخور کہتے ہیں، بھیڑ بکریاں بھی اسی طرح کی ہوں تو اُن کو بھی "فخور" کہیں گے۔

اس بنا پر فخور ایسا شخص ہوگا جس میں ظاہری نمود زیادہ اور حقیقی سود و بہبود کم ہو، کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دوست رکھے۔

الھلال (کلکتہ)

کے مجلدات جن حضرات کے پاس موجود ہوں اور وہ انکو فروخت کرنا چاہیں وہ حسب ذیل پتہ پر مراسلت فرمائیں:-

چوہدری غلام احمد صاحب پرویز

ہوم ڈپارٹمنٹ - نئی دہلی